آداب مسجد کی اہمیت اور ان کا عرفان

آداب مسجد میں اعلیٰ درجہ کے آداب معاشرت پائے جاتے ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ ؍اکتوبر ۱۹۹۲ء بمقام بیت الاسلام ٹورانٹو کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ (الجن: ۲۰)

پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کینیڈا کو بہت وسیع اور خوبصورت سادہ مگر دلکش مسجد بنانے کی توفیق بخشی ہے اس ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ مساجد کے آداب سے متعلق بھی خصوصیت سے مغرب میں بسنے والوں کو توجہ دلانی ضروری ہے کیونکہ بہت سے بچے جو یہاں مغربی ماحول میں پیدا ہوئے ہیں انہیں ان اقدار کا فلسفہ معلوم نہیں جو اسلامی آداب کو بناتے ہیں اور اس کی حدود قائم کرتے ہیں اس لئے بعض بچے اپنے والدین سے سوال کرتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے اس کی کیا ضرورت ہے اور بسا اوقات والدین انہیں سمجھا نہیں سکتے ایسے کئی سوال میرے سامنے یورپ میں مختلف جگہ پیش ہوتے رہتے ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ مسجد کے حقوق اور اس کے آداب سے متعلق اور عموماً نماز کے آداب سے متعلق میں کچھ ضروری باتیں آپ کے سامنے رکھوں۔

ابھی یہاں آنے سے پہلے کراچی کے ایک دوست کا خط ملا جس میں انہوں نے شکایت کی کہ عام طور ننگے سر مسجد میں جانے کا رواج راہ پا گیا ہے اور نئی نسل کے بچے عام طور پر اس امر سے بے

پرواہ ہیں کہ مسجد میں سرڈھانپ کر جانا چاہئے ٹوپی پہن کر جانا چاہئے اسی طرح کی شکایتیں ربوہ سے بھی ملیں اور ربوہ کے ایک دوست نے ایک دفعہ لکھا کہ آپ جلدی آجائیں کیونکہ آپ کے جانے کے بعد بہت سے نقصانات ہو رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اسلامی آداب اور اخلاق جن کے متعلق پہلے بہت ہی پابندی کی جاتی تھی اب ان کا رعب اٹھتا جارہا ہے اور لوگ بے پرواہ ہو گئے ہیں اس خط کے نتیجہ میں مجھے خیال آیا کہ سب سے پہلے تو بنیادی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے۔

ایک انسان کہاں تک دنیا میں ہر جگہ موجود رہ سکتا ہے اگر میں ربوہ میں بھی ہوتا تو ربوہ کی ساری مساجد پر میری نظر کیسے پڑ سکتی ہے۔ جس مسجد میں میں نماز پڑھتا تھا اس مسجد میں عام طور پر حاضری دوسری مساجد سے بہتر ہوتی تھی مگر ربوہ کا غالباً سوواں حصہ آبادی ہوگی یا شاید اس سے بھی کم جو اس مسجد سے استفادہ کرتی تھیں۔ تو کہاں تک انسانی نظر لوگوں کو ان کی حدود میں رکھنے پر آمادہ کر سکتی ہے یا انسانی نظر کا خیال کسی کو اپنے طرز عمل کو بہتر بنانے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اصل بنیادی حقیقت یہ ہے کہ خدا کا تصور ایک ایسا زندہ تصور جو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہو اور ہر آن تم پر نگاہ رکھتا ہو اسے دلوں میں جاگزیں کرنے کی ضرورت ہے اور نماز کا اس سے بہت گہرا تعلق ہے کیونکہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو بہترین نماز یہ ہے کہ تم گویا خدا کو دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہارے سامنے کھڑا ہے اور اگر اس کی توفیق نہیں تو کم سے کم خدا کی نظر میں رہو اور سمجھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پس لباس خواہ ٹوپی ہو یا کوئی اور لباس اس کا تعلق اس احساس سے ہے کہ میں کیا ہوں اور کس کے سامنے ہوں۔ بعض لوگ جو ٹوپی کے متعلق کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے لیکن مغرب میں جب ٹوپی کا استعمال مغربی اقدار کے مطابق ہوتا ہے تو اس کی پابندی کرتے ہیں۔ ایک جج جب کرسی عدالت پر بیٹھتا ہے تو ہمیشہ سر کو ڈھانپ کر بیٹھتا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ جج کے سامنے ٹوپی پہن کر بیٹھے۔ ہمارے بچوں کو یہ کیوں خیال نہیں آتا کہ اسکی کیا ضرورت تھی؟ ٹوپی اتار کے کیوں نہیں بیٹھتا؟ تو وجہ یہ ہے کہ ٹوپی عزت کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور ٹوپی کو سر پر لینے میں خواہ وہ ٹوپی یا کوئی اور لباس انسان کی عزت اور وقار کا مفہوم شامل ہے۔ جج کے سامنے آپ اس لئے ٹوپی نہیں پہن سکتے کہ گویا اس عدالت عالیہ کی ہتک ہوگی کہ اس کی عزت میں سارے شریک ہیں پس اسے عزت کے مقام پر بٹھایا جاتا ہے اور باقی سب لوگوں کی عزت سروں سے اتاری جاتی ہے لیکن

بنیادی فلسفہ وہی ہے کہ ٹوپی کا عزت سے تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور حاضر ہونے والوں کو عزت بخشی ہے اور یہ ادب سکھایا ہے کہ تم عزت کے مقام سے میری طرف آیا کرو اور اپنی عزت کا مقام لے کر میری طرف پہنچا کرو اور میرے سامنے بھی عزت پاؤ۔ اتنا بڑا مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے جسے بحیثیت مرتبہ دنیا کی تمام تہذیبیں پہچانتی اور جانتی ہیں اور اعتراف کرتی ہیں کہ سر پر کچھ اوڑھنا عزت کا نشان ہے تو کیوں مغربی تہذیب کے پیچھے چل کر اپنے سروں کی عزتیں اتارتے ہیں۔ خدا نے جس کو عزت دی ہے اس عزت کو قبول کرنا، اس کا احترام کرنا، اسے سر آنکھوں پر لگانا، چوم کر اپنے سر پر رکھنا یہ احترام کا تقاضا ہے۔

پھر یہی وہ بچے ہیں جن کے متعلق مجھے تجربہ ہے کہ اگر مجھے کبھی ملنے آئیں تو اپنی ٹوپی نہ ہو تو ٹوپی مانگ کر لے آتے ہیں اور مانگی ہوئی ٹوپی نظر آتی ہے کوئی کان پر لٹکی ہوتی ہے تو کوئی سر کی چوٹی پر بیٹھی ہوتی ہے صاف پہچانی جاتی ہے کہ اپنی نہیں مگر دل کی گہرائیوں میں احساس ضرور ہے کہ جس سے ملنے جائیں اس سے ملنے کے آداب پورے کرنے چاہئیں۔ تو بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے مساجد میں آیا جاتا ہے اس خیال کو پیش نظر رکھیں تو یہ خیال ساری زندگی پر چھا جاتا ہے۔ ایک عارف باللہ اور ایک عام آدمی کی زندگی میں یہی فرق ہے کہ ایک عام آدمی جب مسجد سے اللہ تعالیٰ کی حضوری کا سبق لیتا ہے تو اسے وہیں چھوڑ کر باہر نکل جاتا ہے لیکن ایک عارف باللہ اس حضوری کے تصور کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتا ہے چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو نظم آپ کے سامنے بار بار پڑھی جاتی ہے۔ اس میں یہ مصرع بہت ہی پیارا اور گہرا ہے جو ہر مصرعے کے بعد آتا ہے۔ **سبحان من یرانی، سبحان من یرانی** یعنی پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے اس دیکھنے کا مضمون بہت وسیع ہے۔ اس لئے میں نے اسے گہرا کہا ہے۔ پہلا حصہ یہ احساس ہے کہ میں خدا کی نظر میں ہوں۔ یہ احساس انسان کو ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اگر یہ معلوم کرلے کہ میں لازماً قانون کی نظر میں آرہا ہوں تو شاید ہی کوئی پاگل ہوگا جو جرم کرے گا۔ اور جب تک قانون کی آنکھ اسے دیکھتی ہے وہ جرم سے باز رہتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ انسان کیا اور انسان کی آنکھ کیا میرا بھی اس حیثیت سے کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ میری وجہ سے بعض لوگ بعض اخلاق کو اختیار کریں اور بعض بداخلاقیوں سے بچیں۔ اصل روح کو

ہمیشہ قائم رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی حضوری کا خیال دل میں پیدا کریں اور اگر مسجد میں پیدا نہیں ہوگا تو مسجد سے باہر بھی پیدا نہیں ہوگا۔ عارف باللہ مسجد میں حضوری کے تصور کے ساتھ بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے اس کی نماز میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اس کی نماز اسے بہت سے سبق دیتی ہے اور بالآخر اس کی نماز میں ایسی لذّت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شخص جسے تجربہ نہ ہو وہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ نماز میں بھی کوئی لذت ہے۔ عام طور پر نمازی جو نماز باقاعدگی کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ نیکی کی ایک منزل تو بہرحال طے کر لیتے ہیں کہ انہیں احساس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اس کا احترام کیا جائے اور جو فرض عائد فرمایا ہے اُسے میں پورا کروں لیکن وہاں نماز ختم نہیں ہوتی وہاں سے نماز شروع ہوتی ہے۔ نماز کو سمجھنا اس کے ساتھ گہرا ذاتی تعلق قائم کرنا، اس سے فوائد اُٹھانا تمام تر حضوری کے تصور پر منحصر ہے۔ جب یہ تصور آپ کے ذہن سے اُترا وہیں نماز کھوکھلی ہونی شروع ہو جائے گی وہیں یوں لگے گا جیسے نماز میں بجلی کی رو دوڑنی بند ہوگئی ہے جس طرح Display کے لفظ پھیکے پڑ جاتے ہیں اس طرح نماز میں آپ کے الفاظ بھی پھیکے پڑ جائیں گے، آپ کا دماغ ان کو سمجھ نہیں سکے گا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پس حضوری کا تصور بہت ہی اہم ہے آپ کو جرائم سے بچاتا ہے آپ کو صحیح آداب سکھاتا ہے، آپ کو زندگی کا فلسفہ سمجھاتا ہے اور پھر وہی تصور ایک اور رنگ میں تبدیل ہو کر آپ کے لئے ایک اور جنت پیدا کر دیتا ہے۔

دوسرا مضمون من یرانی کا یہ ہے کہ مجھے پیار کی نظر سے دیکھ رہا ہے، تیسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ میری حفاظت فرمارہا ہے۔ جہاں میں جاتا ہوں میں نہیں جانتا کہ کون شر پسند ہے اور کون مفسد ایسا ہے جو بدارادے سے مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے مگر میں ہمیشہ خدا کی نظر کے حصار میں چل رہا ہوں اور خدا کی نظر کے حصار کو کون توڑ سکتا ہے۔ پس **سبحان من یرانی** میں یہ سارے مفاہیم داخل ہیں اور جب آپ اس شعر میں ڈوب کر اس کو پڑھیں یا اس میں ڈوب کر کسی اچھی آواز میں اس کو سُنیں تو اچھی آواز بھی نئے مطالب حاصل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ اسی لئے اچھی آواز میں پڑھنا ضروری ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو بھی ترنم کے ساتھ پڑھا کرو اور سوز کے ساتھ پڑھا کرو ہے تو خدا کا کلام لیکن خدا کے کلام کو بھی پڑھنے میں فرق ہے۔ اس کو سرسری نظر سے پڑھنا اور بات ہے، بے دلی سے پڑھنا اور بات ہے، جان ڈال کر پڑھنا اور بات ہے اور پھر مترنم آواز

میں پڑھنا آپ کی اندرونی کیفیات کو جگا دیتا ہے آپ کے اندر تموّج پیدا کرتا ہے اور اس تموّج کے ساتھ قرآن کریم کے مطالب ہم آہنگ ہو کر پھر آپ کے لئے نئے نئے مضمونوں کے گُل کھلاتے ہیں، نئی روشنی عطا کرتے ہیں۔ تو نماز کا بھی یہی حال ہے۔ نماز کو اگر دل ڈال کر پڑھیں گے تو نماز کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کو اگر ترنم سے پڑھیں گے تو وہاں بھی یہی کیفیت ہوگی۔ حضرت مصلح موعودؓ جب نماز پڑھاتے تھے تو آپ کی آواز میں ترنم بھی تھا اور سوز بھی تھا اور پڑھنے والا آپ کے پیچھے جو نماز پڑھا کرتا تھا اسے صرف ظاہری روحانی لذت حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ نئے نئے مطالب اور عرفان اسے حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب حضورؓ لاہور تشریف لے گئے تو شیخ بشیر احمد صاحب مرحوم کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے اور وہیں نمازیں پڑھایا کرتے تھے ان دنوں میں جلسے کے ایام تھے اور غیر مبائعین کا جلسہ ہو رہا تھا تو ایک غیر مبائع دوست جو لاہوری جماعت کے رُکن تھے وہ دن کو تو جلسہ وہاں سُنا کرتے تھے لیکن مغرب اور عشاء کی نمازوں اور صبح کی نماز پر یہیں شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچا کرتے تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں جلسہ وہاں سُنتے ہیں کھانا وہاں کھاتے ہیں اور نماز پڑھنے دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا سچی بات یہ ہے کہ کھانے کا مزہ لاہوریوں کے ہاں اور نماز کا مزہ ان کے ہاں ہے اور نماز کا جو مزہ مجھے میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو میاں صاحب کہتے تھے) کے پیچھے ملتا ہے اس کا عشر عشیر بھی وہاں نہیں ملتا۔ پس نماز کا مزہ حقیقت میں عرفان سے ملتا ہے اور ترنم اس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ نماز میں جو بعض نمازیں اونچی آواز سے پڑھائی جاتی ہیں تو ان میں یہ بھی ایک فلسفہ ہے۔ **اللہ اکبر** کہنے میں بھی ترنم ہوتا ہے ویسے تو ہر نماز میں بھی ترنم کا کچھ حصہ پایا جاتا ہے لیکن کئی نمازیں ایسی ہیں جن میں ترنم کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کی بات ہو رہی تھی وہاں جب ایک آدمی کو ایک اچھی آواز میں کلام پڑھتے اور سُنتے ہیں تو محض کانوں تک مزہ نہ رہنے دیا کریں۔ اسے دل میں اُتارا کریں اسے دماغ میں رچایا بسایا کریں پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے نئے نئے مضمون آپ کے دل سے آپ کے دماغ سے خود بخود پھوٹیں گے۔ پس ''من یرانی'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ جسے میں دیکھتا ہوں تو وہ پھر مجھے دیکھتا ہے اور میں ہمیشہ اس خیال میں رہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو خدا کے ادب کے خلاف ہو اور اس کے

نتیجے میں مَیں خدا کا پیار پاتا ہوں ،اس کی حفاظت میں آجاتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جہاں بھی میں جاتا ہوں وہاں خدا کی نظر مجھ پر پیار سے بھی پڑ رہی ہے اور حفاظت کے لئے بھی پڑ رہی ہے۔ پس یہ وہ دیکھنے کا تصور ہے جسے نماز کے ساتھ گہرا تعلق ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا جو یہ راز سمجھایا اس کے ساتھ تمام آداب وابستہ ہیں۔ تفصیل سے میں ساری باتیں بیان کرسکوں یا نہ کرسکوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں ایک مرکزی تصور ہے جو ادب کی جان ہے اس کے گرد ہر چیز گھوم رہی ہے۔ ایک شخص نماز میں ایک پاؤں پر زیادہ بوجھ ڈالتا ہے ایک پاؤں ڈھیلا رکھتا ہے، ایک پاؤں سخت رکھتا ہے، ایک پاؤں ڈھیلا کر دیتا ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ گھٹنا اکڑا کر رکھتا ہے اور ایک گھٹنا ڈھیلا کر دیتا ہے کھڑے ہونے کی یہ طرز ایسی ہے کہ جس میں بے پرواہی پائی جاتی ہے۔ اگر کسی افسر کے سامنے کوئی جائے تو اس طرح کھڑا نہیں ہوسکتا کوئی سپاہی اپنے افسر کے سامنے اس طرح کھڑا ہو تو شاید اس کا کورٹ مارشل ہو جائے۔

نماز میں جب آپ بعض بچوں کو یا بڑوں کو اس طرح دیکھتے ہیں تو صاف مطلب ہے کہ ان کو خدا کی حضوری کا تصوّر نہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جو تفصیلی تعلیم دی ہے اس کا تمام تر اس حضوری سے تعلق ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک پاؤں پر بوجھ ڈال کر نہ کھڑے ہوں (بخاری کتاب الازان حدیث نمبر :۸۱۶) بلکہ سیدھے کھڑے ہوں اور رُشدی جیسے بد بخت ان باتوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسا مذہب ہے؟ چھوٹی چھوٹی تفصیل میں جاتا ہے حالانکہ جب تک یہ آداب سکھائے نہ جائیں آج بھی دنیا کی متّمدن قومیں ان آداب کو خود نہیں سیکھ سکتیں جو ادب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چودہ سو سال پہلے بتایا اور سکھایا جن قوموں کو وہ نہیں سکھایا گیا وہ آج بھی اسی طرح جاہل ہیں۔ تہذیب بہت آہستہ رفتار سے ترقی کرتی ہے لیکن الہام دماغوں کو اور دلوں کو اور طرز زندگی کو نئی روشنی بخشتا ہے اور اس روشنی سے استفادہ کرنا پھر قوموں کا کام ہے وہ اگر باہوش ہوں گی اور زندہ رہنے کی صلاحیت رکھیں گی تو اس روشنی میں لانا ضروری ہے ورنہ قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں۔ پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں جنہیں بعض لوگ چھوٹی سمجھتے ہیں ایک بہت ہی گہرے مرکزی خیال سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ خیال بہت اہم ہے۔ وہ صرف نماز پر ہی نہیں زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ خدا کی حضوری کے تصوّر کے بغیر کوئی مذہبی قوم زندہ نہیں رہ سکتی لوگوں کو زندگی نہیں بخش سکتی۔

پس جب کہا جاتا ہے کہ سر پر ٹوپی پہنو تو اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تمہیں یہ خیال رہے کہ تم کسی معزز بزرگ ہستی کے حضور حاضر ہو رہے ہو اور ٹوپی ایک ایسا عزّت کا نشان ہے جو تمہیں ھدیۃً عطا ہوا ہے خدا کا کرم ہے اور احسان ہے کہ اس نے تمہیں اپنے دربار میں آنے پر تمہیں عزت بخشی ہے۔ باقی تمام مسائل اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب آپ ان کی تفصیل سُنیں اور ان کو دیکھتے چلے جائیں تو ہر بار بات کی تان یہیں ٹوٹے گی کہ خدا کی حضوری کا تصور ہے۔ مثلاً جب نماز کا انتظار ہو رہا ہوتا ہے تو لوگ مسجد میں بیٹھے آپس میں باتیں شروع کر دیتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

نماز کا انتظار بھی عبادت کا حصہ ہے۔ (مسلم کتاب الطہارۃ حدیث نمبر: ۳۶۹) قرآن کریم کی جو آیت میں نے پڑھی تھی اس میں یہی مضمون بیان فرمایا گیا ہے وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا خدا کے سوا اور کسی کو نہ پُکارو۔ پس جب آپ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو نماز سے پہلے ہی خدا کی حضوری میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں اور خدا کی حضوری کا تصور آپ کی حرکات وسکنات پر اثر انداز ہونا چاہئے ورنہ وہ تصور ہے ہی نہیں پس وہاں آپ کو خاموش اور ادب سے بیٹھنا چاہئے اور پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ پس آنحضرت ﷺ اگر چہ ہمیشہ ذکر میں رہتے تھے مگر مسلمانوں کو ذکر کی تعلیم ہمیشہ یا بسا اوقات مسجد کے حوالے سے دی ہے کہ جب مسجد میں آؤ تو ذکر کیا کرو اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو۔ وہاں بے ہودہ حرکتیں کرنا دوڑنا پھرنا ایسی مجالس لگانا جن کا مساجد سے کوئی تعلق نہیں سب منع ہے دینی مجالس کا قیام آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے لیکن آپ نے مسجد میں شعروں کی مجالس منعقد کرنے سے منع فرمایا ہے بعض دفعہ لوگ بے احتیاطی میں دینی مشاعرہ کہہ کر مسجد میں مشاعرہ کر لیتے ہیں لیکن مشاعرہ مشاعرہ ہی ہے اور جب آنحضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو وہاں یہ تفریق نہیں کی کہ دینی مشاعرہ نہ کیا جائے بلکہ فرمایا کہ مسجدوں کو شعروں کی مجالس کے لئے استعمال نہ کرو۔ پس یہ سارے آداب ہیں جن کا اسی روح سے تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی خاطر مساجد قائم کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کو مسجد میں بلند کرنا چاہئے۔

پھر بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ صفیں سیدھی نہیں ہوتیں اور بیچ میں فاصلے ہیں یہ بھی ایک

بے پرواہی کی علامت ہے خدا تعالیٰ کے حضور صف بندی سے حاضر ہونے کا حکم ہے جس کا مطلب ہے کہ نظم وضبط ہو پتا ہو کہ ایک ایسے عظیم وجود کے حضور حاضر ہوئے ہیں جس کے سامنے نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اس وجود کی حضوری کا تقاضا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ سپاہی اگر لائن میں کھڑے ہوں اور آپس میں فاصلے ہوں لائن ٹیڑھی ہو تو ایسے سپاہی کبھی کسی فوج میں قبول نہیں ہو سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سپاہی بنایا ہے تو روحانی سپاہی بنایا ہے دنیاوی سپاہی نہیں لیکن عملاً روحانی سپاہی بننے کے لئے بھی کم وبیش ویسے ہی اخلاق وآداب اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے دنیاوی سپاہی بننے کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں مسلمانوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتا ہے صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصّف:۵) کہ یہ صف بندی سے میرے حضور حاضر رہتے ہیں گویا ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے سامنے جب حاضر ہونا ہے تو اپنے نظم وضبط کے ساتھ حاضر ہونا ہے اور اس نظم وضبط کا یہ تقاضا ہے کہ آپ صفیں بنائیں، سیدھی بنائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے ہوں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں امور سے متعلق واضح نصیحت فرمائی اور جیسا کہ آپ سمجھ سکتے ہیں اس کا تعلق حضوری سے ہے فرمایا کہ اگر تم خدا کے سامنے ٹیڑھی صفیں لے کر کھڑے ہو گے تو تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:۶۵۴) دلوں کے ٹیڑھے ہونے کا ٹیڑھی صف سے کیا تعلق ہے؟ اس پر اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر دلوں میں کجی ہوگی تو آپ ٹیڑھی صف بنا کر کھڑے ہونگے۔ دلوں کی کجی بے ادبی اور بے پرواہی کی کجی ہے اور قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

پس آنحضرت ﷺ نے یہی نقشہ کھینچا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ باہر سے دلوں کو جبراً ٹیڑھا کرے گا۔ مراد یہ ہے کہ تمہارا ٹیڑھی صفیں بنانا دل کی کسی کجی کی علامت ہے اور جیسا کہ خدا کا قانون ہے تمہاری جو چھپی ہوئی کجیاں ہیں اگر تم ان کو سیدھا نہیں کرو گے تو وہ ان کو نمایاں کر کے بڑھا کے تمہارے سامنے لے آئے گا۔ پس صف بندی اور سیدھی صف بنانا خدا تعالیٰ کی حضوری کی عظمت کے تقاضوں میں داخل ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں کندھے ملا کر کھڑے ہو ورنہ بیچ میں شیطان آجائے گا۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر:۵۷۰) اب وہ شیطان کیا ہے؟ اس پر

اگر آپ غور کریں تو کئی قسم کے شیطان ہیں جو آجاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ قوم میں خلاء پیدا ہو جائے تو قوم کمزور ہو جاتی ہے اور جب آپس میں دوری بڑھے تو فتنہ پرداز ایسے موقع پر وساوس پھونکتے ہیں اور بھائیوں کو بھائیوں سے جُدا کرتے ہیں۔ پس نماز میں اکٹھے ہو جانا اور اخوت کی ایک ایسی مثال قائم کرنا کہ جس میں درمیان میں کوئی بھی رخنہ نہ ہو، کوئی بھی فاصلہ بیچ میں نہ ہو۔ اس کا بھی بالآخر دلوں سے تعلق ہے اور اوّل میں بھی دل سے ہی تعلق ہے۔ جب انسان کسی دوست سے ملتا ہے تو گلے کیوں ملتا ہے اس لئے کہ اس کے بدن کے ساتھ اپنا بدن لگانا چاہتا ہے۔ اپنے فاصلے کو کم کرنا چاہتا ہے۔ جتنا پیار ہو اتنا ہی زیادہ ایک دوسرے میں جذب ہونے کا تصور پیدا ہوتا ہے جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے بھی فارسی کا ایک شعر اسی موقع پر سنایا تھا۔

؎ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کہ میں تو ہو جاؤں تم میں ہو جائے۔ یعنی دو وجود نہ رہیں ایک ہی وجود بن جائیں۔ تم میری روح میری جان بن کر میرے دل میں سما جاؤ۔ میں تو ہو جاؤں اور تم میں ہو جاؤں۔ تا کہ پھر کبھی کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تم اور ہو۔

تو شاعر کے تصور شاعرانہ ہی ہیں لیکن ان کا گہرا حقیقتوں سے بھی تعلق ہوتا ہے۔ شاعر عشق میں مبتلا ہو کر نفسیات کے گہرے پانیوں میں غوطے مارتا ہے اور جتنا اچھا شاعر ہوگا وہ تبھی اچھا شاعر ہوگا کہ وہ سچائی میں ڈوب کر وہاں سے کوئی نیا موتی لے کر آتا ہے۔ تو میرا تُو ہو جانا اور تیرا میں ہو جانا اور یہ تصور کہ بدن ایک ہو جائے اور تم روح بن کر میرے جسم میں سما جاؤ اور میں روح بن کر تمہارے جسم میں سما جاؤں اس کا انسانی فطرت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ پس اگر بھائی پیارا ہے، اگر مسلمان اخوۃ ہیں اور آپس میں محبت ہے تو پھر فاصلے پر کیوں کھڑے ہوں گے۔ انہیں اکٹھے ہو کر کھڑے ہونا چاہئے۔ اور خدا کی حضوری کا اس کا ساتھ یہ تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ دکھایا جائے کہ جس طرح تو ایک ہے ہم بھی تیری خاطر ایک ہو چکے ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی فاصلے نہیں رہے۔

یہ ایک بہت ہی پیارا اظہار محبت ہے جو ایک ادب میں ڈھلتا ہے اور خدا کے حضور ایک بہت ہی حسین تصور پیش کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ دلوں میں فاصلے بڑھیں گے اور دشمنیاں پیدا ہونگی اور یہی مراد شیطان کے داخل ہونے سے ہے۔

پھر تکبر کا شیطان بھی داخل ہوتا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ خدا کے حضور ایک دوسرے کے ساتھ اس لئے ملو کہ وہ تم سے اتنا بلند ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تمہارے درمیان کوئی فرق ہی نہیں رہا۔ اس مضمون کو اسلامی معاشرے کے قیام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد جو انسانی فاصلے ہیں وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے جتنی دور کوئی چیز ہو اتنا ہی نزدیک کے فاصلے بے حقیقت ہوتے جاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ سمندر کی مدوجزر میں چاند تو اثر انداز ہوتا ہے لیکن سورج نہیں ہوتا حالانکہ سورج بہ نسبت چاند کے سمندر کے اوپر زیادہ اثر پیدا کر رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ چاند کو وہ رفعت حاصل نہیں ہے اور چاند اتنا قریب ہے کہ اس کے مقابل پر سمندر کے اوپر کے پانی کا زمین سے فاصلہ سمندر کے نیچے کے پانی زمین کے فاصلے کے مقابل پر ایک ایسا فاصلہ ہے جو ایک اہمیت رکھتا ہے ایک اکائی رکھتا ہے۔ پس چاند سمندر کی سطح پر اور طرح اثر دکھا رہا ہے اور سمندر کی تہ میں جو پانی لگا ہوا ہے اس پر نسبتاً کمزور اثر دکھا رہا ہے اور یہ فاصلے ایک اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ مگر سورج اتنا بلند ہے کہ اس کے مقابلے پر یہ تھوڑے سے فاصلے کے فرق بالکل مٹ جاتے ہیں کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ آپ جتنی بلندی سے نیچے دیکھیں گے اتنا ہی یہ فاصلے مٹتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ تھوڑی بلندی سے دیکھیں تو انسان اور موٹر کے درمیان، درخت گھوڑے اور انسان کے درمیان فرق۔ درخت اور انسان کے درمیان نمایاں فرق دکھائی دیتے ہیں۔ اونچی عمارات اور چھوٹی عمارات اور انسانوں کے قدوں کے درمیان فرق دکھائی دیتے ہیں لیکن تیس ۳۰ چالیس ۴۰ ہزار کی بلندی پر چلے جائیں اگر نظر آئے تو سب ہموار دکھائی دیں گے۔ کوئی فاصلہ کوئی فرق دکھائی نہیں دے گا۔

پس یہ بھی حضوری کے ساتھ تعلق رکھنے والا مضمون ہے۔ اگر آپ خدا کے حضور حاضر ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں تو آپس کے فاصلے کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کو **ربی الاعلی** کہہ رہے ہیں تو اس کے بعد کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فلاں مقام پر ہیں اور آپ کا بھائی فلاں مقام پر ہے اور دنیا

میں جو آپ کا فاصلہ ہے وہ خدا کے حضور بھی اسی طرح دکھائی دینا چاہئے۔اس لئے ان فاصلوں کو مٹانا ادب سے گہرا تعلق رکھتا ہے ورنہ تکبر کا شیطان داخل ہوگا۔ایک غریب آدمی پاس آکر کھڑا ہوتا ہے اور کوئی اس خیال سے کہ میرے کپڑے صاف ہیں اس کے کپڑے گندے ہیں ایک طرف سمٹ جاتا ہے تو لازماً وہ متکبر ہے اور کسی متکبر کی نماز قبول نہیں ہوسکتی۔وہ خدا کے سامنے ایک الگ دربار بنا رہا ہے۔اگر خدا کی حضوری کا تصور ہو تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی۔خواہ کیسا ہی گندہ کوئی شخص کیوں نہ ہو اگر وہ نماز میں آکر ساتھ کھڑا ہو گیا ہے تو لازماً اس کے ساتھ جڑنا پڑے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک آدمی گندی حالت میں بھی نماز میں جایا کرے۔یہ اس کا قصور ہے جو اپنی جگہ ہے کیونکہ ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جو کچھ صاف ستھرا میسر ہے وہ پہن کر جاؤ۔سر پر ٹوپی پہننا یہ بھی ادب کا تقاضا ہے کپڑوں کو صاف رکھنا بھی ادب کا تقاضا ہے اور جن کو نماز میں یا مسجد میں اس ادب کی عادت ہو وہ پھر مسجد سے باہر بھی ایسے ہی رہتے ہیں۔حضرت محمد مصطفی ﷺ کے متعلق کثرت سے یہ روایت ملتی ہے کہ سادگی تھی لیکن صفائی بھی بہت تھی،نظافت تھی،بدن بھی پاک رہتا تھا،کپڑے بھی صاف اور پاک رہتے تھے اور آجکل بزرگی کا جاہلانہ تصور یہ ہے کہ کپڑے میلے ہوں۔گویا ہمیں دنیا کی پرواہ ہی نہیں ہم دنیا سے بے نیاز ہو چکے ہیں،خدا میں ڈوبے ہوئے ہیں حالانکہ پاک چیز میں ڈوبنے کے لئے پاک ہونا ضروری ہے۔پس گندگی کا نیکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔بعض ایسے معاشرتی پس منظر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بعض عادتیں بگڑ جاتی ہیں وہ الگ مسئلہ ہے لیکن ایک انسان جس کو حضوری کا تصور ہو وہ ہمیشہ صاف ستھرا ہو کر مسجد میں جائے گا اور وضو بھی یہی سکھاتا ہے،چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف:۳۲) کہ مسجدوں میں جایا کرو تو اپنی زینتیں لے کر جایا کرو۔زینت کا ایک مطلب تو ہمیشہ میں بیان کرتا ہوں کہ تقویٰ ہے کیونکہ لباس کے تعلق میں بھی خدا تعالیٰ نے تقویٰ کے پہلو سے جواب دیا ہے۔فرماتا ہے: لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۷) لباس کے متعلق تم سوچتے ہو کہ کونسا اسلامی،کونسا غیر اسلامی کونسا مناسب،کونسا غیر مناسب تو ہمیشہ یاد رکھو کہ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ۔تمہیں تقویٰ کا لباس پہننا چاہئے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لباس میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز نہیں ہونی چاہئے۔پس ایسی زینت جو تکبر پر منتج ہو جائے مثلاً اس شان کا لباس جو نماز میں حائل ہو۔یہ بھی تقویٰ کا لباس

نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ اس کی روشنی میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں اپنے لباس نہ درست کیا کرو۔ (بخاری کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۷۶۷) اگر تم اس خیال سے اپنے لباس ٹھیک کرو گے کہ پتلون کی کریز نہ خراب ہو جائے۔ یا کسی کروٹ پر بیٹھنے سے شلوار کی کریز خراب نہ ہو جائے تو تمہارا لباس لِبَاسُ التَّقْوٰى نہیں رہے گا۔ تم خدا کے حضور حاضر ہوئے ہو اور خدا کے حضور حاضر ہو کر ایسی حرکتیں کرنا جس سے تمہیں اپنے دکھاوے کا خیال رہے یہ لباس کی نظافت کی روح کے خلاف ہے۔ پس دیکھیں بظاہر دو متضاد چیزیں ہیں لیکن متضاد نہیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ ایک طرف فرمایا اچھا صاف ستھرا لباس لے کر جایا کرو لیکن دوسری طرف تقویٰ کا لباس بھی فرما دیا اور تقویٰ کے لباس میں یہ معنے آ گئے کہ تمہارا ظاہری طور پر نفیس اور ستھرے لباس میں ملبوس ہونا اچھی بات ہے مسجد میں جاؤ تو یہ زینت بھی لے کر جاؤ لیکن یاد رکھنا کہ اگر تمہاری زینت تقوٰی کے خلاف ہوگی تو ایک بالا اصول پر تم ایک چھوٹے اصول کو قربان کر رہے ہو گے اس خیال سے کہ میرے کپڑے کی کریز خراب نہ ہو، ان میں بل نہ پڑ جائیں اگر تم خدا کی حضوری کو نظر انداز کر دو گے تو تقویٰ پھٹ جائے گا اور تم ایک پھٹے ہوئے کپڑے میں خدا کے سامنے ہو گے۔ پس لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ ہمیں بتاتا ہے کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ پر اس آیت کریمہ کا بھی اثر ہے۔

اور زینت کے مضمون میں یاد رکھیں کہ زینت سے مراد ظاہری طور پر یہ ہوگی کہ ایسا لباس ہو جو آپ کے لحاظ سے زینت ہے۔ ایک غریب آدمی کی زینت بھی تو ہوا کرتی ہے اگر اسے کسی بڑے آدمی کے سامنے حاضر ہونا ہو اور پھٹے ہوئے کپڑے بھی ہوں اور ان کو بھی اگر وہ ٹھیک کر کے یا گھر میں بیٹھ کر سی کر یا خود گھر میں ہی دھو کر پہنتا ہے تو اس پر کوئی حرف نہیں، اس کی زینت کامل ہے۔ چنانچہ صرف زینت نہیں فرمایا۔ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ فرمایا ہے جو تمہارے پاس اچھی چیز ہے وہ پہنا کرو اور اس لحاظ سے بھی امیر اور غریب کو برابر کر دیا دونوں کے ساتھ یکساں حسن سلوک ہے۔ ایک آدمی کہہ سکتا ہے میرے پاس یہی زینت ہے میں یہی لے کر جاتا ہوں۔ اللہ کہے گا ٹھیک ہے تمہاری یہی زینت قبول ہے۔ ایک امیر آدمی کے پاس زیادہ اچھی زینت کے کپڑے ہیں وہ انہیں پہنے گا لیکن اگر اس میں تکبر آ جائے گا تو وہ زینت نہیں رہے گی۔ اگر وہ کپڑے اس کی عبادت میں مُخل ہوں گے تو پھر وہ زینت نہیں رہے گی۔ پس زینت لے کر جانا ضروری ہے اور اپنی توفیق کے مطابق زینت لے

جانا ضروری ہے۔

کپڑوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مجھے یاد ہے جب ہم جامعہ احمدیہ میں پڑھا کرتے تھے تو اس وقت اندازہ ہوا کہ بعض غرباء کی کیا حالت ہے اور ان کے لئے ایک معمولی چھوٹا سا کپڑا بھی کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ میرے ایک بھائی نے مجھے اپنی طرف سے ایک لطیفہ سُنایا مگر ویسے بڑی دردناک بات ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سخت سردی میں ایک لڑکا بالکل ننگا باہر کھڑا تھا۔ چھوٹا سا بچہ تھا۔ سر پر ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اتنی سردی میں تم بغیر لباس کے باہر آگئے ہو تو ہنس کر کہنے لگا۔ ''اے ٹوپی جو پائی ہوئی اے۔'' کہ دیکھ نہیں رہے میں نے ٹوپی پہنی ہوئی ہے۔ اب اُس بیچارے کی یہی زینت تھی اور لباس بھی وہی تھا اور اس کو اہمیت دے رہا تھا اور اس پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا اور پوچھنے والے پر ہنس رہا تھا کہ تمہیں نظر نہیں آتا کہ میں ننگا نہیں ہوں میرے سر پر ٹوپی ہے تو خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ نے ہمیں یہ سبق دیا کہ جو کچھ میسر ہے وہ لے کر خدا کے حضور حاضر ہوا کرو۔ لیکن اچھی چیز صاف ستھری چیز لے کر جایا کرو اور تقویٰ کے لباس سے تمہارے لباس کا ٹکراؤ نہ ہو ورنہ تم ننگے ہو جاؤ گے اور تقویٰ کے لباس کے بغیر خواہ کچھ بھی اوڑھا ہو گا تم خدا کے سامنے گویا ننگے بدن ہو گے۔

حضرت آدمؑ کے متعلق جو پتوں سے تن ڈھانپنے کا ذکر ملتا ہے وہ یہی مضمون ہے۔ دراصل استغفار سے وہ اپنے بدن کو ڈھانپ رہے تھے۔ جاہل سمجھتے ہیں کہ ننگے ہو رہے تھے اور پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ خدا کو پتوں کے پیچھے نظر نہیں آتا تھا؟ کیسی جاہلانہ بات ہے۔ اپنے دل کی جہالت حضرت آدمؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ استغفار تھا اور اس کی کوشش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے حُسن سلوک کیا۔ اسے معاف فرما دیا۔ یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے اسے جوڑا دے دیا کہ اچھا یہ پہن لو۔ کوئی بات نہیں پتوں میں کیوں چُھپتے ہو تو یہ مضمون روحانی کلام کی اصطلاحوں میں ہیں اور روحانی اصطلاحوں کو سمجھ کر ہی ان کے مضامین سمجھ آتے ہیں پس جو بھی مسجد میں آئے بچہ ہو یا بڑا ہو اس کو صاف ستھرا لباس لے کر آنا چاہئے۔

اسی طرح میں نے ذکر کیا تھا کہ نظافت کے ساتھ نماز کا تعلق ہے۔ آپ کو یہ حکم ضرور ہے کہ خواہ کوئی بُرے ڈکار لے رہا ہو، خواہ وہ اچھے ڈکار لے رہا ہو یا نہ لے رہا ہو اس سے الگ کھڑے

نہیں ہونا اور آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ تم ہم پر گندے ڈکار نہ پھینکا کرو لیکن اس کے باوجود ساتھ جُڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اپنی جگہ قائم رہا۔ تو یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کے اندر صفائی کا جذبہ نہ رہے۔ اس جذبے کے باوجود خدا کے احترام کا جذبہ اتنا غالب ہو کہ اپنی طبعی نفاستوں اور نظافتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خدا کے ادب کے تقاضوں کو اپنے سر پہ ہمیشہ قائم رکھیں اور انہی کے حقوق اس وقت ادا کیا کریں۔ پس خدا کی خاطر بعض دفعہ بد بو بھی سونگھنی پڑتی ہے۔ بعض اور بے ہودہ حرکتیں مسجد میں ہو جاتی ہیں وہ بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں یعنی ایسی حرکتیں ہوتی ہیں کہ غصہ بھی برداشت کرنا پڑتا ہے مگر اس کے باوجود مل جُل کر بیٹھنا جس کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ جڑ کر کھڑے ہونا۔

اس ضمن میں ایک اور بات آپ کے سامنے رکھنی ضروری ہے مجھے یاد ہے کہ بعض دفعہ قادیان میں بھی اور ربوہ میں بھی اس خیال سے کہ اگر اکیلا ہو تو جماعت نہیں ہوتی ایسا شخص جو نماز میں دیر سے آتا تھا اور اگلی صف مکمل ہو جاتی تھی وہ آگے سے ایک آدمی کو گھسیٹ کر پیچھے کر لیتا تھا اور اپنی نماز باجماعت بنانے کی خاطر اس کو اپنے ساتھ کھڑا کرتا تھا اور کئی بزرگوں کو بھی میں نے دیکھا کہ ان کی تائید اس کو حاصل تھی۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے میرے علم میں نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہو۔ میں سمجھتا ہو کہ یہ استنباط کیا گیا ہے لیکن میں نے بہر حال علماء کو متوجہ کیا ہے اور ربوہ میں تو ہمارے بزرگ علماء اس وقت براہ راست میری یہ بات سُن رہے ہیں وہ یہ نوٹ کر لیں اور تلاش کریں کہ کیا واقعۃً حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ تم اپنی نماز باجماعت بنانے کی خاطر باجماعت نماز میں خلل پیدا کر دیا کرو۔ میں نہیں مان سکتا اگر مل گئی تو سر تسلیم خم کرنا ہوگا پھر میری سوچ یقیناً غلط ہے لیکن مجھے یہ خیال ہے کہ غالباً ایسا نہیں ہوگا کیونکہ ایک شخص کی باجماعت نماز بنانے کی خاطر پوری صف پر اثر پڑتا ہے اور خلل واقع ہو جاتا ہے اور یہ حکم یقیناً بہت زیادہ واضح اور غالب اور قوی ہے کہ درمیان میں فاصلے نہ ہوں۔ اگر آپ آگے سے گھسیٹ کر کسی کو پیچھے کرتے ہیں تو ایک فاصلہ پیدا کرتے ہیں پس اگر دو باتوں میں تضاد دکھائی دے تو یقیناً ایک حدیث ضعیف ہوگی سوائے اس کے کہ کوئی دلوں کو اور عقلوں کو بھی مطمئن کرنے والا حل بھی ساتھ تجویز کیا جائے۔ پس اور باتوں کو چھوڑیئے۔ صرف میرے نفس کی بات نہیں کوئی حدیث یہ پیغام دیتی ہے اگر حدیث پر مبنی بات ہے تو اس میں ممکن ہے کوئی فرق ہو کوئی ضعیف بات ہو، کسی نے اپنے خیال کو

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا ہو لیکن دل نہیں مانتا کہ ایک انسان اپنی نماز کو باجماعت بنانے کی خاطر صف میں خلل پیدا کر دے۔

جب ایسا واقعہ ہوتا تھا تو ہر شخص کو پھر سرکنا پڑتا تھا اور تھوڑا تھوڑا قدم کر کے آپس میں سمٹتے تھے اور ایک شخص کے متحرک ہونے سے ساری صف اس طرح متحرک ہو جاتی تھی جس طرح اینٹوں کی قطاروں کی کھیل ہوتی ہے۔ بچے اینٹیں کھڑی کر دیا کرتے تھے اور ایک اینٹ پھینکو تو دوسری پر گرتی، دوسری تیسری پر گرتی اور اس طرح وہ گرتی چلی جاتی تھیں حالانکہ ایک اور حدیث میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی کہ نمازی کے آگے سے بھی نہیں گزرنا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ حدیث نمبر: ۴۸۰) وہ اپنی جگہ کھڑا ہے اور آپ کا بدن اس سے مَس نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود سامنے سے گزرنے کی اجازت نہیں بعض حدیثوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر اتنے دن بھی کھڑا ہونا پڑے یعنی اس بات کی اہمیت کو واضح کرنے کی خاطر فرمایا کہ اگر اتنے دن بھی کھڑا ہونا پڑے تب بھی تم نے آگے سے نہیں گزرنا۔ مراد یہ ہے کہ ایک سجدہ کا جو فاصلہ ہے وہ نمازی کا اپنا حق ہے اس کی سرزمین ہے اس کے اور خدا کے درمیان اس زمین میں کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں ہے۔ بہت ہی پیارا اور بڑا گہرا پُر معانی حکم ہے۔ اب ایک طرف تو نمازی کی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ قائم رکھنے کے لئے یہ ارشاد ہوا اور دوسری طرف ہر آنے والا جب صفوں کو مکمل دیکھے تو ساری صفوں میں خلل پیدا کر دے اور توجہ کو بکھرا دے۔ میرا دل تو یہ نہیں مانتا مگر میرے دل کی بات کیا ہے اگر آنحضرت ﷺ کا قطعی حکم ایسا مل جائے جو حدیثوں کے اس ظاہری تضاد کو بھی دور کر دے تو لازماً سر تسلیم خم ہو گا لیکن جب تک یہ ثبوت نہ مل جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں احتیاط کرنی چاہئے اور نمازی کی خدا کی طرف توجہ میں کسی صورت میں بھی خلل پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ تبھی مسجد میں سرگوشیاں بھی منع ہیں اور کئی قسم کی حرکات جیسے بچے کرتے ہیں کہ دوڑنے پھرنے لگ گئے کھیلنے کودنے لگ گئے یہ تمام آداب مساجد کے خلاف ہیں۔

آداب مساجد کے سلسلہ میں یہ بات آپ اچھی طرح یاد رکھیں کہ ہمارا سارا نظام زندگی آداب مساجد سے متاثر ہوتا ہے۔ باجماعت نماز میں جو زور ہے اس میں یہ بہت بڑی حکمت ہے۔ کیونکہ تمام اسلامی معاشرے اور نظم وضبط کی تصویر ہے جو باجماعت نماز میں کھینچی جاتی ہے۔ پس آداب مساجد کے ساتھ باجماعت نماز کے بھی کچھ آداب ہیں ان کو بھی آپ کو پیش نظر رکھنا

چاہیے۔اُن میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جب امام تلاوت کر رہا ہو تو جو نمازی پیچھے کھڑے ہوں وہ پیچھے پیچھے ایسی آواز میں تلاوت نہ کیا کریں (ابوداؤد کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۷۰۲) کہ جس کے نتیجہ میں امام کے اوپر بھی اثر پڑتا ہے اور اس کی تلاوت اور توجہ میں خلل واقع ہوتا ہو چنانچہ اسی پر فقہا نے یہ مسئلہ بنایا ہے کہ جن نمازوں میں اونچی قرأت ہے وہاں نمازیوں کو خاموشی سے سُننا چاہئے لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے احکام ہیں جن کا اجتماعی زندگی سے تعلق ہے، اجتماعیت سے تعلق ہے مثلاً اگر نماز میں امام غلطی کرتا ہے تو نمازی کا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی نماز میں اس غلطی کی اصلاح خود کر لے بہت ہی اہم اور گہرا حکم ہے اس میں امام کی اطاعت کا ایک بہت گہرا اور قوموں کو زندہ رکھنے والا راز بیان فرمایا گیا ہے۔امام تمہارا لیڈر بنایا گیا ہے اس کے پیچھے تم نے چلنا ہے۔وہ خدا کے حضور حاضر ہے، خدا کے ادب کے تقاضے پورے کر رہا ہے اور اس سے کوئی بشری غلطی ہو جاتی ہے تو اگر کوئی انسان اس بشری غلطی پر اس سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے تو امام سے ہی نہیں خدا سے بھی اپنا تعلق توڑتا ہے کیونکہ جس کو امام بنا لیا جائے وہ خدا کے حضور تمہاری نمائندگی کر رہا ہے، اس لئے بظاہر یہ عجیب بات ہے کہ غلطی کا پتا ہے پھر بھی کر رہے ہیں لیکن یہی حکم ہے اور اتنا واضح ہے کہ تمام عالم اسلام میں فقہی اختلافات کے باوجود اس بارے میں ایک ذرہ بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا سُنی، شیعہ سارے اس بات پر متفق ہیں کہ اگر امام سے غلطی ہو جائے اور امام غلطی درست نہ کرے تو تمام مقتدیوں کا کام ہے کہ بلا چوں و چرا اس غلطی میں اس کی متابعت کریں۔اس موقع پر اس کو کیا کہنا چاہئے کس طرح کہنا چاہئے، اس کے متعلق فرمایا **سبحان اللہ** پڑھو اب یہ **سبحان اللہ** پڑھنا خود ایک بہت ہی گہرا عارفانہ حکم ہے۔جس پر غور کریں تو طبیعت عش عش کر اُٹھتی ہے۔**سبحان اللہ** کا مطلب ہے صرف اللہ غلطی سے پاک ہے۔ایک طرف امام کو یہ پیغام مل گیا کہ اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔یہ بتایا گیا کہ ہم تمہاری غلطی تو سمجھ گئے ہیں لیکن تمہیں نیچی نظر سے نہیں دیکھ رہے۔ہم تمہیں کسی لحاظ سے بھی تخفیف کی نظر سے نہیں دیکھ رہے۔ہمیں یہ تربیت دی گئی ہے کہ صرف خدا ہے جو غلطی سے پاک ہے۔پس کتنے ادب اور احترام کے ساتھ ایک غلطی کرنے والے امام کی غلطی کی طرف اُسے متوجہ فرمایا گیا ہے اور دوسرا پیغام **سبحان اللہ** خود اس انسان کو دیتا ہے جس نے غلطی پکڑی ہے اور اس میں دو پیغام ہیں۔ایک یہ کہ تم سمجھتے ہو کہ اس نے غلطی کی ہے۔ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو۔اس

احتمال کو نظر انداز نہ کرنا کیونکہ صرف اللہ غلطی سے پاک ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میں بھی بعض دفعہ نماز میں بھولتا ہوں تو بعض مجھ سے زیادہ بھولنے والے مجھے غلط یاد کرا دیتے ہیں اور اس جگہ **سبحان اللہ** کہتے ہیں جہاں **سبحان اللہ** تو ہے ہی لیکن میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہوتی پھر بعد میں میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ دیکھیں۔ **سبحان اللہ** کیسا پیارا کلام ہے۔ غلطی کی اصلاح کا کیسا پیارا انداز ہے پڑھنے والے انسان کو بھی اس **سبحان اللہ** سے یہ پیغام ملتا ہے کہ تم اصرار نہ کرنا کہ تم ضرور درست ہو۔ تم سے بھی غلطی ہو سکتی ہے اور دوسرا پیغام یہ ہے کہ تم بھی تو غلطی کے پُتلے ہو۔ اگر اس سے ہو گئی تو کیا فرق پڑتا ہے یعنی سچ مچ کی غلطی ہو تب بھی انکساری کا پیغام ہے اور پہلی بات کا ثبوت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے تم غلط ہو کہ جب امام درستی نہ کرے تو اس وقت الگ ہونے کا حکم نہیں ہے۔ ایسے شخص کا فرض ہے کہ بغیر مزید شور مچائے وہ اس کی متابعت کرے۔ چنانچہ بعض دفعہ نماز میں جو عجیب سی حرکتیں ہوتی ہیں ان کی اصلاح کے لئے میں یہ تفصیل بیان کر رہا ہوں۔ کسی امام سے غلطی ہوئی ہے تو ایک صاحب **سبحان اللہ**، **سبحان اللہ** کہے جاتے ہیں حالانکہ صرف اشارہ کافی ہے وہ بھی نرم زبان میں۔ جو قریب ہے پہلے اس کا فرض ہے اور اگر اس کے دور کے آدمی نے غلطی پکڑی ہے تو وہ وہاں سے **سبحان اللہ** کہے لیکن تشدد کے معنی میں نہیں جیسے چوٹ مار کر کوئی کہتا ہے بلکہ عجز کے ساتھ انکسار کے ساتھ، اپنے مقام کو پہچانتے ہوئے **سبحان اللہ** سے اُسے یاد کروائے کہ آپ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

اگر غلطی ہو جائے تو بعد میں کیا ہونا ہے؟ اس سلسلے میں مُجھ سے لندن میں ایک سوال کیا گیا تھا۔ ایک بچی نے سوال کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا جواب آپ کے سامنے بھی آنا چاہئے انہوں نے کہا کہ ایک امام سے غلطی ہو جاتی ہے تو وہ سجدہ سہو کرے گا۔ اس میں دو باتیں ہیں کہ اس کے سجدہ سہو میں کچھ لوگ تو ہیں جو اس کے ساتھ شروع میں شامل تھے وہ تو سجدہ سہو میں شامل ہو جائیں گے لیکن جو بعد میں آئے اور انہوں نے اپنی نماز جاری رکھی ہے اُن کے لئے کیا حُکم ہے؟ ان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اس وقت بھی امام کی متابعت سے نہیں نکلے اور جب امام سجدہ میں جاتا ہے تو وہ نماز کی کسی بھی حالت میں ہوں خواہ وہ قیام کی حالت میں ہوں خواہ وہ رکوع کی حالت میں ہوں اپنی الگ نماز پڑھ رہے ہیں لیکن امام کی متابعت میں وہ سجدہ ضرور کریں گے۔ ایک تو یہ بات یاد رکھئے۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے کہا کہ اگر مقتدی سے کوئی غلطی ہو جائے تو میں اپنے دو سجدے کروں

گی؟اس کا جواب ہے ہرگز نہیں ۔تمہاری غلطیاں امام کے تابع خدا کی حفاظت میں آجاتی ہیں ۔جب جماعت کے طور پر نماز پڑھ رہے ہوتو وہاں جماعت کا حکم لگے گا اور انفرادیت غائب ہو جاتی ہے جہاں امام کے فارغ ہو جانے کے بعد جو باقی رکعتیں ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس میں سجدہ سہو کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایسی نماز ہے جو ایک لحاظ سے امام کے تابع ہے اور ایک حصہ اُس کا امام کے بعد شروع ہوتا ہے ۔پس اس حصے پر جہاں امام اثر انداز ہوگا وہاں مقتدی ضرور اثر انداز ہوگا یعنی سجدہ سہووہ کرتا ہے تو آپ کو بھی کرنا پڑے گا لیکن جس حصے پر امام اثر انداز نہیں ہو رہا اور آپ غلطی کر رہے ہیں وہاں آپ کو اس غلطی کا سجدہ سہو الگ کرنا چاہئے ۔

عورتوں کے لئے جو حکم ہے کہ وہ **سبحان اللہ** نہیں کہیں گی بلکہ تالی بجائیں گی ۔میں اس سلسلے میں پہلے کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ عبادت میں خلل واقع نہ ہو ۔خدا کی حضوری کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو جائے ۔پس عورتوں کے لئے اور مردوں کے لئے نمازوں میں علیحدگی کا جو حکم ہے اس پر بھی حضوری اثر انداز ہوتی ہے ۔اگر خدا کے حضور حاضر ہو رہے ہیں تو کوئی دنیاوی رشتے اور دنیاوی کششیں اس خدا کے حضور حاضر ہونے کے احترام میں دخل انداز نہیں ہونی چاہئیں ۔اگر ایک عورت آپ کے ساتھ کھڑی ہے یعنی عموماً نمازوں میں ایک طرف عورت کھڑی ہے اور دوسری طرف مرد ساتھ کھڑا ہے تو عورتوں کے اپنے انداز ہیں ۔ان میں کششوں کی بھی مختلف کیفیتیں ہیں ۔ہر انسان تو ایک جیسا نہیں ہوتا اس لئے بالکل بعید نہیں کہ وہ لوگ جن کے نفسوں میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں ۔کوئی آزمائش میں مبتلا ہو جائے اور ساتھ کھڑی ہوئی عورت کا احساس اس کی عبادت میں مخل ہو اور وہ خدا تعالیٰ کی حضوری کا تصور چھوڑ کر اس عورت کی حضوری کے تصور میں نماز پڑھتا چلا جائے اس لئے عورت آواز دیتی ہے تو اس کی آواز میں بھی ایک خاص کشش ہوتی ہے اور بعض دفعہ پہچانی بھی جاتی ہے کہ کون ہے ۔پس اس لئے تالی کی آواز تو ایک ایسی آواز ہے کہ جس میں کوئی انفرادیت نہیں ۔ہر تالی تالی ہی ہے ۔پس امام کو صرف یہ پتا لگ جائے کہ کچھ ہوا ہے اور پھر وہ سوچے اور اس کے نتیجہ میں جو کوئی باقی احکامات ہیں وہ جاری ہوں ۔پس آنحضرت ﷺ نے ہر موقع کے لئے بڑی تفصیلی نصیحتیں فرمائی ہیں ۔ان نصیحتوں پر عمل کرنے سے ہماری عبادتیں سج جائیں گی ۔ان میں خلا نہیں رہے گا ان میں خدا تعالیٰ کے تصور کی اہمیت دن بدن نمایاں ہوتی چلی

جائے گی اور وہ تصور ہماری زندگی پر غالب آتا چلا جائے گا۔

بعض اور احکامات اسی سے تعلق رکھنے والے ہیں (میں کچھ حدیثیں نقل کر کے ساتھ لایا تھا اگر کوئی بات میرے بیان سے رہ گئی ہو تو میں دیکھتا ہوں شاید ان میں ذکر مل جائے) ہاں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسجدوں میں خرید و فروخت کی بات کوئی نہیں کرنی (ترمذی کتاب الصلوۃ حدیث نمبر:۲۹۶)صرف خدا سے سودے ہیں انسانوں سے سودے یہاں بند ہو جانے چاہئیں۔ مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک اور صاف رکھنا چاہئے اسی لئے حکم ہے کہ عورتیں جب اُن کے ایام ہوں احتیاط کریں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ کوئی قطرہ خون مسجد پر لگ جائے یا گندگی گر جائے اس لئے ان کو فرمایا گیا ان دنوں میں مسجد نہ آئیں۔ مسجد کی صفائی کے متعلق اتنی اہمیت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ (البقرہ:۱۲۶) میرے گھر کو تم دونوں مل کر صاف رکھا کرو اس طرح مسجد کی صفائی کو اتنی اہمیت دی کہ وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمام دنیا اور آئندہ نسلوں کے لئے امام بنائے گئے تھے ان کو اور حضرت اسماعیلؑ جو نبی اللہ تھے فرمایا کہ آنے والوں کے خیال سے، عبادت کرنے والے، اعتکاف بیٹھنے والے اور مسجد کا طواف کی غرض سے آنے والوں کے لئے تم دونوں اس مسجد کو صاف کیا کرو۔

آنحضرت ﷺ کو بھی مسجد کی صفائی سے بہت پیار تھا اور بڑی محبت کی نظر سے ان لوگوں کو دیکھتے تھے جو مسجد کی صفائی کیا کرتے تھے۔ ایک واقعہ ہے آپ کو اندازہ ہوگا۔ ایک ایسی خاتون جس کی سوسائٹی میں کوئی قدر نہ ہو۔ وہ عام لونڈی ہو اور اپنی ظاہری شکل وصورت میں یا مالی لحاظ سے ایسی غربت میں ہو کہ اُس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اس کے لئے مسجد کی صفائی میں ہی عزت ہے۔ اگر اور کچھ نہیں کر سکتی تو مسجدیں ہی صاف کرے اور اس سے اُس کو کتنی عزت مل سکتی ہے اس کا خیال میں آپ کو بتاتا ہوں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں ایک ایسی عورت جو دنیا کی نظر میں قابل قدر نہیں تھی وہ مسجد صاف کیا کرتی تھی دو تین دن نظر نہ آئی تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا وہ عورت کہاں گئی، دکھائی نہیں دی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ تو فوت ہوگئی ہے اس پر حضور اکرم ﷺ سخت بے چین ہوئے کہ فوت ہوگئی تھی تو مجھے کیوں نہ بتایا۔ اسی وقت اس کی قبر پر تشریف لے گئے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس پر دُعا کی (مسلم کتاب الجنائز) تو دیکھیں کہ عام خاتون جس کو دنیا کی نظر میں بھی کوئی مقام

حاصل نہیں تھا وہ مسجد کی صفائی سے اتنا بلند مقام حاصل کر گئی کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں مقام بنایا ہے اور یقیناً خدا کی نظروں میں بھی مقام بنایا ہے، تو صفائی کو معمولی نہ سمجھیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی مثال کو بھی پیش نظر رکھیں اور پھر اس واقعہ کو پیش نظر رکھیں جو آپ کے سامنے رکھا ہے۔ مسجد کو صاف کرنا چاہئے۔ اگر کوئی خاندان مل کر مسجد کی صفائی کا پروگرام بنائیں تو اس سے خدا والوں کی نظر میں ان کی عزت اور ان کا احترام بڑھے گا اور خدا کی نظر میں بڑھے گا۔

پھر مسجد میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے مسجد میں گندگی پیدا ہوتی ہو۔ جوتوں کو جو اُتارنے کا حکم ہے اس کا اسی سے تعلق ہے لیکن یہ تو نہیں کہ جوتے باہر رکھ دیئے جائیں اور کپڑے اتنے غلیظ ہوں یا کوئی ایسی بیماری ہو جس سے مسجد گندی ہوتی ہو۔ مثلاً بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ ماتھے پر اگیزیما ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ان کے ہاتھوں پر یا چہرے پر ناسور ہوتے ہیں لیکن وہ اس بات کا ذرہ خیال نہیں کرتے کہ وہ دوسرے نمازیوں کے لئے تکلیف کا موجب ہی نہیں بنیں گے بلکہ بنیادی طور پر ان میں بیماریاں پھیلانے کا موجب بھی بنیں گے یعنی نفسیاتی تکلیف ہی نہیں بلکہ عملاً بیماریاں پھیلانے کا موجب بنیں گے اور مسجد کو گندا کرنا اپنی ذات میں ایک گناہ ہے۔ ایسے لوگوں کو فرض ہے کہ اگر انہوں نے مسجد آنا ہے تو اپنا کپڑا لے کر آیا کریں موٹی تہہ والی اپنی ایسی جائے نماز ساتھ لایا کریں جس کے نتیجہ میں مسجد کے فرش کے گندے ہونے کا کوئی احتمال نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو یہ بھی تاکید ہے (جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ مسجد سے جو سبق سیکھیں اپنی زندگی میں جاری کیا کریں) کہ اگر ہاتھوں میں کوئی ایسی بیماری ہے تو پھر وہ مصافحہ نہ کیا کریں۔ بہت مدتیں ہو گئیں میرے پاس لوگ علاج کے لئے آتے ہیں اور ایسے مریضوں کو تو خاص طور پر شوق ہوتا ہے کہ پہلے مصافحہ کریں بعد میں بتائیں کہ ہمارے ہاتھ میں یہ گندی بیماری ہے اور بعض دفعہ وہ پہلے اپنے زخم دکھاتے، ہاتھ لگاتے، ان کو چھیڑتے اور پھر ایک دم السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیتے ہیں۔ آدمی مجبور ہوتا ہے ورنہ ان کی دل شکنی ہوگی لیکن وہی مضمون ہے جو مسجد میں آپ نے سیکھا کہ اپنے انکسار کی خاطر ایک گندے آدمی کو بھی برداشت کرو۔ تکبر سے اس کا ہاتھ نہ جھٹکو لیکن اس گندے آدمی کا یا بیمار آدمی کا اپنا بھی تو فرض ہے۔ اس کا بھی تو سوسائٹی پر کوئی حق ہے اسے چاہئے کہ وہ

ان چیزوں سے احتراز کرے اور مسجد کی پاکیزگی کی خاطر اگر مسجد میں آنا فرض ہے تو پھر وہ ضرور اپنا کپڑا اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ لایا کرے۔ جو شائستہ مہذب قومیں ہیں ان میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنی بیماری کو دوسروں تک نہیں پھیلاتیں۔ آپ جاپان میں جائیں تو وہاں ہر آدمی نے جب اُس کو نزلہ ہوا ہوا اپنے اوپر سفید کپڑا باندھا ہوتا ہے۔ میں جب جاپان گیا تھا تو بعض لوگوں کو سفید کپڑا باندھے ہوئے دیکھ کر تعجب ہوتا تھا یعنی اتنے حصے پر سفید کپڑا باندھا ہوا تھا تو پتا لگا کہ وہ نزلے کے مریض ہیں وہ نہیں چاہتے کہ ان کا نزلہ دوسروں کو لگے۔ لیکن یہ ادب مسجد نے سکھایا ہے کہ اپنی بدبو دوسروں تک نہ پہنچاؤ جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں پیاز کھا کر نہ آیا کرو۔ گندے ڈکار نہ لیا کرو۔ نمازیوں کو اپنی تکلیف سے محفوظ رکھو۔ (بخاری کتاب الاطعمہ حدیث نمبر :۵۰۳۲) اس سبق کو مسلمانوں کو اپنی ساری زندگی پر جاری کرنا چاہئے تھا جیسے کہ میں نے دیکھنے کا مضمون بتایا اور نماز میں سیکھا اور عارف باللہ نے اس کو اپنی ساری زندگی جاری کر دیا لیکن مسلمان نہیں کرتے اور غیر کرتے ہیں اور خاص طور پر ہماری عورتوں میں تو یہ بیماری بہت ہی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی بیماریاں دوسروں تک پھیلاتی چلی جاتی ہیں۔ کوئی پرواہ نہیں کرتیں۔ جلسے کے دنوں میں ایک خاتون اپنا بچہ لے کر آئیں جس کو سخت کالی کھانسی تھی اور عام کھانے کی میز پر اس کو بٹھایا ہوا تھا۔ وہیں سے وہ علاج کے لئے لے کر آئیں اُن سے میں نے کہا کہ آپ کے بچے کو کالی کھانسی ہے تو کہنے لگیں کوئی بات نہیں جلسہ تو سُننا ہی ہے۔ میں نے کہا جلسہ سُننے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو سُننے کے لائق نہ رہنے دیں۔ کالی کھانسی پھیلانے کا آپ کو کیا حق ہے۔ بعض عورتیں ہیں جن کے بچوں کو لا کڑا کا کڑا نکلا ہوا ہو اور منہ پر چھالے ابھی ہرے ہی ہوتے ہیں ان کو لے کر پھرتی ہیں اور بالکل پرواہ نہیں کرتیں کہ دوسرے بچوں کو لگے گی۔ پس مسجد نے جو آداب سکھائے ہیں وہ جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا آپ کی ساری زندگی پر حاوی ہیں ان آداب کو مسجد میں قائم کر دیں اور ان کے فلسفے سے اپنی نسلوں کو خوب اچھی طرح آگاہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسجد سے تعلق رکھنے والی قوم دنیا کی سب سے عظیم اور متمدن قوم ہوگی کیونکہ اس قوم کو خدا اور اس کے رسولؐ نے آداب سکھائے ہیں۔ کوئی دنیا کی قوم آپ کے پاسنگ کو نہیں پہنچ سکتی۔ اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کے اصول معاشرت میں اور نظام جماعت کے حقوق کے تعلق میں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں مسجد میں سکھا دیا

ہے وہ آپ کی ساری زندگی پر حاوی ہوگا۔ اور دنیا کی بہترین قوم تو آپ ہی ہیں اور ہمیشہ دنیا کی بہترین قوم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خطبہ ثانیہ کے بعد فرمایا۔

انشاء اللہ آج شام کو میں قافلے سمیت واپسی کے سفر پر روانہ ہوں گا۔ ساری جماعت سے درخواست ہے کہ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہر حال میں شامل رہے اور اللہ کی حفاظت اور ہم سب دوست خدا کی نظر میں رہتے ہوئے واپس گھروں کو لوٹیں اور سب احمدی مسافر جو جلسے سے واپس جائیں گے ان کے حق میں بھی دعا کریں اللہ ان کو بھی اپنی حفاظت میں رکھے۔ جماعت احمدیہ کینیڈا کو میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ کہتا ہوں۔ اب اس کے بعد ملاقات کا موقع نہیں مل سکے گا اور تمام دنیا سے جو تہنیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ فیکسز کی شکل میں بھی اور ٹیلیفون وغیرہ بھی وہ سارے جماعت احمدیہ کینیڈا کو محبت بھرا سلام پہنچاتے ہیں اور آپ کو جو خدا تعالیٰ نے سعادت بخشی ہے اس میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ امید ہے آپ ان نیکیوں کو نسلاً بعد نسلٍ قائم رکھیں گے۔